دوسری اور آخری قسط

تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی عربیت

ایک تحقیق ایک پیغام

مولانا عزیز الرحمٰن عظمی

عالم عرب کے معروف صاحب قلم محقق مناع القطان اپنی گراں قدر کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں ایک جگہ قرآن کریم سے استفادہ کے لیے عربی زبان کی اہمیت و ضرورت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔ السابع:العلم باللغة العربية وفروعها فإن القرآن نزل بلسان عربي ويتوقف فهمه علىٰ شرح مفردات الالفاظ ومدلولاتها بحسب الوضع: قال مجاهد لايحل لأحد يؤمن بالله واليوم الاخر أن يتكلم فى كتاب الله إذالم يكن عالماً بلغات العرب(۱۹)۔

عربی زبان اور اس کے فروع کا جاننا (بھی شرط ہے) کیوں کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس کا سمجھنا مفرد الفاظ کی توضیح اور اس کے معانی کی تشریح پہ موقوف ہے۔ (امام) مجاہد فرماتے ہیں جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے عربی زبان پر عبور حاصل کیے بغیر قرآن میں کچھ کہنا جائز نہیں (حرام ہے)۔

بہر حال رسالت مآب ﷺ کی فصاحت و بلاغت امت کو نفس زبان کی نہیں بلکہ عربی زبان کی درستگی اور اس میں کمال پیدا کرنے کی دعوت دے رہی ہے اور اس کے اسباب اور فوائد معاشی، معاشرتی اور سیاسی نہیں بلکہ خالص دینی اور روحانی ہیں۔ اس لیے عربی زبان سے لاتعلقی اور صرف نظر انفرادی ہو یا اجتماعی۔ بڑی محرومی اور کج فطرتی کی دلیل ہے اور اس سے لگاؤ، محبت اور وابستگی کسی مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔

جس کا ایک اہم سبب تو یہ ہے کہ فہم قرآن اس پر موقوف ہے اور دوسرا مرکزی سبب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز اس کی انسانی دسترس سے ماوراء فصاحت و بلاغت میں ہے جیسے کہ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں "وجه الإعجاز الفصاحة وغرابة الأسلوب والسلامة من جميع العيوب" (۲۰) قرآن کریم کے معجز ہونے کی وجہ اس کی فصاحت، نیا اسلوب اور تمام عیوب سے پاک ہونا ہے۔

اور یہی جمہور کا مسلک ہے ابن عطیہ فرماتے ہیں "الصحيح والذي عليه الجمهور والحذاق فى وجه إعجازه أنه بنظمه وصحة معانيه وتوالى فضاحة الفاظه" صحیح بات اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قرآن عجیب ترتیب، صحیح معانی اور مسلسل فصیح الفاظ پر مشتمل ہونے کے سبب معجز ہے (۲۱)۔

اب جب عربی زبان میں فصاحت و بلاغت سے متصف ہونا ہی قرآن کا اعجاز ہے تو اندازہ لگایا جائے کہ عربی زبان کے رموز واسرار اور خصوصیات و امتیازات سے آگہی کس قدر اہمیت کی حامل ہے جس کے بغیر قرآن کریم کے اعجاز کا ادراک و احساس تقریباً ناممکن ہے جبکہ قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کی سچی گواہی دل تب ہی دے گا جب اس کا سبب اعجاز سمجھا جائے اور اس کے فوق العادت لفظی اور معنوی حسن اور زور بیان کو محسوس کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد عربی ﷺ جو صاحب قرآن ہیں کو اعرب اور افصح عرب بنا کر بھیجا گیا۔

اور آپ نے یہ معجز کلام لوگوں کو سکھایا اس کی حکمتوں اور جواہر پاروں کی رونمائی فرمائی اس کی تفسیر کی اور اس کے الفاظ، معانی اور

مفاہیم کو لوگوں کے دل و دماغ میں رچایا بسایا اوز یہی نہیں بلکہ آپ علیہ کے صحابہ بھی توفیق ایزدی اور کچھ اپنی بھرپور عربی دانی کے باعث قرآن کے لطائف واشارات اور حکم وعبر اور حسن وحلاوت سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے، اور اس کے مزاج و مذاق کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں فرمائی کیوں کہ یہ حضرات نہ صرف یہ کہ پیدائشی عربی دان تھے بلکہ عربی میں مہارت پیدا کرنے کا باقاعدہ اہتمام والتزام فرماتے تھے، خود رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیمات کے متعلق شاید بعض لوگوں کا خیال یہ ہو کہ چوں کہ آپ علیہ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے اور شعر و سخن کی بھی آپ علیہ سے نفی کی گئی تو اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ کو عربی زبان میں من حیث الادب کمال حاصل نہیں تھا اور اس کی آپ کے واسطے کوئی اہمیت و ضرورت بھی نہ تھی حالانکہ یہ سوچ (اگر کسی کی ہے تو) محض غلط فہمی یا کم علمی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پڑھنے، لکھنے اور شعر و شاعری سے اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب کو دور رکھنے کے اپنے اسباب اور حکمتیں ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ آپ علیہ عربی زبان کے محاسن اور دقائق (جسے ادب عربی سے تعبیر کیا جاتا ہے) بھی نہیں جانتے ہوں گے، کسی طور قرین قیاس اور انصاف کا تقاضا نہیں۔

احادیث اور سیرت کی کتب اگر اٹھا کر دیکھی جائیں تو بڑے واضح لفظوں میں رسول عربی علیہ سے عربی نثر ہی نہیں شعر و سخن پر بھی کامل دسترس کی بے شمار دلیلیں اور ٹھوس حجتیں نظر آئیں گی اور کلام رسول علیہ سے نہ صرف یہ کہ آپ علیہ کی کلام عرب کے نشیب و فراز سے آگہی کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کی رسول کریم کے ہاں اہمیت و وقعت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ نے شعر کی تاثیر اور افادیت کے متعلق یہاں تک فرمایا "ان من البیان لسحرًا وان من الشعر لحکمة" (۲۲) بیان کبھی سحر انگیز ہوتا ہے اور شعر کبھی حکمت سے پر ہوتا ہے۔ ظہور اسلام کے وقت چونکہ اہل عرب کی شعر و شاعری سے بے پناہ دلچسپی اور انتہائی لگاؤ تھا حتیٰ کہ شعر ان کا جزو زندگی سمجھا جاتا تھا اور اس شاعری میں سوائے بیہودگی، فضولیات و منکرات، ہجو اور ہیجان، اخلاق باختگی اور جرائم افزائی کے کچھ نہ ہوتا تھا بلکہ یہی اس کے عناصر ترکیبہ تھے اور وہ جو کسی نے منطق یونان کے متعلق کہا ہے:

واعجبا لمنطق الیونان کم فیه من افكٍ ومن بهتان

مخبط لجید الاذهان ومفسد لفطرة الانسان

منطق یونان پہ تعجب ہے، اس میں کس قدر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے۔ یہ منطق عمدہ ذہنوں کو خراب اور انسانی فطرت کو بگاڑ دیتی ہے۔ اس میں اس زمانے کے ادب کی پوری عکاسی ہوتی اگر منطق یونان کے بجائے الادب الجاہلی موضوع ہوتا...... اور اس کی تعبیر و تصویر کے لیے شاید اس سے زیادہ موزوں کلام کوئی نہ ہوتا...... اس لیے پیغمبر اسلام نے اس کے متعلق یہ سخت جملہ ارشاد فرمایا "لأن يمتلئ جوف أحدكم قيحاً حتايريه خيرله من أن يمتلئ فمه شعرًا" (۲۳) تم میں سے کسی کا پیٹ خون اور پیپ سے اس قدر بھر جانا کہ وہ (اس سے) سیر اب ہو جائے بہتر ہے اس سے کہ اس کا منہ شعر سے بھر جائے۔ اس شدید وعید کا اثر کسی اور پہ ہوتا نہ ہوتا جانثاران رسول علیہ کو اس نے ہلا کر رکھ دیا اور انھوں نے اپنے تمام تر فطری اور موروثی ادبی ذوق کے باوجود شعر و شاعری کو یکسر ترک کر دیا اور قرآن و حدیث کو حفظ کرنے اور اس کے حقائق و دقائق سے اپنے دل و دماغ کو منور کرنے میں منہمک ہوگئے باوجودیکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شعر فی نفسہ مذموم نہیں بلکہ مذکورہ بالا مفاسد کی بناء پر اس کی ممانعت آئی ہے۔ جیسے کہ احمد حسن زیات صاحب فرماتے ہیں "علیٰ علمهم بأن الدين لم يكرهه علىٰ اطلاقه، وإنما كره منه ذلك النوع الذي يمزق الشمل ويثير دفائن القلوب" (۲۴)۔

مگر جب قریش نے رسول کریم علیہ کے ساتھ عناد اور عداوت کی تمام حدود پھلانگ دیں اور آپ علیہ کی ہجو (مذمت) میں شعر کہہ کہہ کر آپ علیہ کو اذیت پہنچانے لگے تو کئی صحابہ۔ خصوصاً وہ جو دور جاہلیت میں شعر و شاعری کرتے تھے اور اس فن کو عملاً چھوڑ دینے کے باوصف اس کے رمز آشنا اور حقیقت شناس تھے۔ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور ان کے دلوں میں مدافعت رسول علیہ کا جذبہ مچلنے لگا اور

دل ہی دل میں یہ خواہش کرنے لگے کہ کاش رسول خدا ہمیں ان کو جواب دینے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کی اجازت دیدیں..... چنانچہ آپ نے اس موقعہ پر فرمایا"ماذا یمنع الذین نصروا اللّٰہ ورسولہ باسلحتھم أن ینصروہ بألسنتھم" اللہ اور اس کے رسول کی اسلحے کے ذریعے مدد کرنے والوں کو زبان سے ان کی مدد کرنے سے کس چیز نے روکا۔ زبان اطہر سے اجازت شعر کے ان کلمات کا نکلنا تھا کہ حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ جیسے کہنہ مشق شعراء اٹھے اور ناموس رسالت کی خاطر اپنے بھرپور زور بیان کو بروئے کار لائے، ان حضرات کے اشعار اور قصائد کو تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ کیا ہے اور وہ بلاشبہ عربی اسلامی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اگرچہ اس مخصوص پس منظر میں صحابہ کرامؓ کے شعر کہنے کی خواہش اور رسول کریم ﷺ کی ان کو اجازت دینے کی یہ توجیہہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس سے اسلام دشمنوں کے خلاف جہاد بالسیف کی طرح جہاد باللسان کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ یہی توجیہ عبارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے مگر ساتھ ہی یہ شاعری (جو کسی زبان کی جان ہوتی ہے) کی پیغمبر اسلام اور صحابہ کی جانب سے پذیرائی اور پسندیدگی کی بھی بہت بڑی دلیل ہے، اور اس سے فہم قرآن اور مشابہت بالرسول جیسے مقاصد جلیلہ کی خاطر عربی زبان وادب کے ساتھ گہرے شغف کا استحسان بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسان بن ثابتؓ کی شاعری اس کے قبول اسلام کے بعد پوری طرح قرآنی اسالیب و معانی سے متاثر ہوئی اور قرآنی اصطلاحات اور دینی حقائق کے سانچوں میں ڈھل کر ایک نئے انداز میں سامنے آئی۔ ان کے درجہ ذیل قصیدے سے اس بات کی صحت و صداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

أغرُّ علیه للنبوة خاتمٌ ... منِ اللّٰہ مشھود یلوح ویشھد
وضم الإلٰہ اسم النبی الیٰ اسمه ... اذا قال فی الخمس الموذن اشھد
وشق له من اسمه لیجله ... فذو العرش محمود وھذا محمدٌ
نبیٌّ اتانا بعد بأسٍ وفترۃٍ ... من الرسل، والأوثان فی الأرض تُعبدُ
وأنذرَنا نارًا وبشرَّجنةً ... وعلَّمنَا الاسلام فاللّٰہ نحمدُ
وأنت إلٰہ الخلق ربی وخالقي ... بذلك ماعُمِّرتُ في الناس أشھد
تعالینا رب الناس عن قول من دعا ... سواك الٰھاً انت اعلیٰ وأمجد
لك الخلق والنعماء والاھر کله ... فإیاك نستھدي وایاك نعبدُ

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف یہ کہ کلام عرب پہ نظر ہوتی تھی بلکہ آپ موقعہ بہ موقعہ اس کی تحسین یا اس پہ تنقید اور نکیر بھی فرماتے رہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ کلام عرب کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے رسالت مآب ﷺ کا صرف دینی معیار و مقیاس نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ اسے ادبی کسوٹی پہ بھی پرکھتے تھے جس سے آپ کی زبان وادب پر عمیق نظر اور اس کے اسالیب پر غیر معمولی گرفت کا پتہ چلتا ہے۔

لبید ابن ربیعہ العامری عہد نبویؐ کا ایک سلیم الفطرت ممتاز شاعر تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے ایک مصرعے"ألا کل شيئٍ ماخلا اللّٰہ باطل" (بلاشبہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل (اور عارضی) ہے) کے متعلق فرمایا أصدق کلمة قالھا شاعر: قول لبید...... (۲۵)۔

مشہور عرب شاعر نابغہ الجعدی کے کلام (شعر) کو دین فطرت سے ہم آہنگ اور روحانیت کا پرتو پایا تو اس کی ان الفاظ میں تحسین فرمائی"لایفضض اللّٰہ فاك" (۲۶) (دعائیہ کلمہ ہے جس کا معنی ہے اللہ تیرے دانت نہ گرائے۔)

کعب بن زہیر کا یہ شعر:

إن الرسول لنور يستضاء به

مهندٌ من سيوف الهند مسلول

(رسول اللہ ایک ایسا نور ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور ہند کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی تیز تلوار ہے) آپ کو پہنچا تو آپ نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا "مهنّد من سيوف الله مسلول" (اللہ کی تلواروں میں سے۔ ہند کی نہیں!)

ایک دفعہ آپ ﷺ کعب بن مالک کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ شعر کہہ رہا ہے، آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ کچھ ہچکچا گئے آپ نے پوچھا تم کیا کر رہے تھے؟ کعب نے کہا شعر کہہ رہا تھا؟ آپ نے فرمایا کہیے تو! اس نے شعر کہا اور جب یہ مصرع کہا "مجالدنا عن جذمنا كل فخمةٍ" اپنی اصل کی حفاظت کے لیے ہماری بہادری بہت عظیم ہے۔ آپ نے فرمایا أيصح أن تقول: مجالدنا عن ديننا كل فخمةٍ(۲۷)۔

یعنی اگر آپ عن جذمنا کے بجائے عن ديننا کہیں تو......!

اللہ اکبر! کس خوش اسلوبی سے آپ نے اس کی اصلاح فرمائی کہ مقصود بھی حاصل ہوا اور وزن شعری بھی برقرار رہا اور اسے شعر کہنے کا حکم دینا اور اس کا پورا کلام سننا اس سے پہ مستزاد ہے۔

ایک مرتبہ جَنِین (بچہ جو رحم مادر میں ہوتا ہے) کی دیت کا آپ ﷺ نے ذکر فرمایا تو کسی صاحب نے سوال کیا "يارسول الله أ أدى من لاشرب ولا أكل، ولانطق ولا استهل ومثل ذلك يطلُّ" (۲۸) "اے اللہ کے رسول کیا میں اس کی دیت ادا کروں گا جس نے پیا نہ کھایا، بات کی اور نہ چیخا، اس جیسوں کو تو بغیر قصاص کے رہنے دیا جاتا ہے"۔

آپ نے اس کے نفس سوال کی بجائے اس کے تک بند اور پرتصنع کلام کی طرف متوجہ ہو کر اس پر اپنی سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "أسجعًا كسجع الكهّان؟" کیا کاہنوں کی طرح قافیہ بندی......؟ یہاں آپ نے سائل کی غیر ضروری قافیہ بندی پر نکیر فرمائی کیوں کہ اس طرح کا انداز عموماً باطل پرست اور تخریب پسند عناصر حقائق کو مسخ کرنے اور باطل کو حق کے روپ میں ظاہر کرنے جیسے مذموم مقاصد کے لیے اختیار کرتے ہیں ورنہ تو فی نفسہ دلنشین اسلوب، متاثر کن الفاظ اور حسن ترتیب وترکیب کو آپ ناپسند نہیں فرماتے تھے بلکہ بسا اوقات اس کی تحسین بھی فرمائی۔

چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے عمرو بن اہتم سے زبرقان بن بدر کے متعلق پوچھا تو عمرو نے کہا "مانع لحوزته مطاع في عشيرته" اپنی سرحد کی حفاظت کرنے والے اور اپنے قبیلے میں اطاعت کیے جانے والے ہیں۔

اس پر زبرقان نے کہا یہ (عمرو) میرے متعلق اس سے زیادہ جانتا ہے مگر میرے ساتھ حسد کی وجہ سے نہیں کہہ رہا۔ عمرو نے کہا "أمالئن قال ماقال فوالله ماعلمته الاضيق العطن ذمن المروءة لئيم الخال حديث الغنى" (۲۹) اچھا اگر اس نے یہ کہا تو واللہ میں اسے جگہ کے اعتبار سے تنگ اور مروت کے لحاظ سے لچا، ننھیال کی طرف سے کمینہ اور نومال یافتہ ہی جانتا ہوں!

اس کے بعد جب عمرو نے رسول ﷺ کی آنکھوں میں ناگواری دیکھی تو کہا "یارسول اللہ! رضيت فقلت أحسن ماعلمت وغضبت فقلت أقبح ماعلمت وماكذبتُ في الاولىٰ ولقد صدقت في الثانية"۔

اللہ کے رسول! میں خوش تھا تو میں نے وہ خوب صورت ترین بات کہی جو میں جانتا تھا اور مجھے غصہ آیا تو میں نے وہ قبیح ترین بات ذکر کی جو میں جانتا تھا اور جھوٹ تو میں نے پہلی بات میں بھی نہیں بولا اور دوسری بات بھی میری سچی ہے۔

سرور دوعالم نے عمرو سے اس حسین پیرائے میں اپنی صفائی پیش کرنے کو ملاحظہ فرما کر ازراہ تعجب اور مسرت فرمایا "إن من البيان لسحرًا وإن من الشعر لحكمة" (۳۰)۔

بعض بیان سحر انگیز ہوتے ہیں اور بعض شعر پر حکمت......

ہاں یہ ضرور تھا کہ آپ ﷺ کلام میں موقع ومحل کی رعایت جسے بلاغت کہا جاتا ہے کو ضروری سمجھتے تھے اور بلاضرورت کلام کو طول دینے یا ابہام کی حد تک اس میں اختصار کو آداب کے خلاف سمجھتے تھے اور اس طرح کی فن کاری پر آپ اپنی شدید ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے، اور اس کی وجہ واضح ہے کہ اس سے کلام کی افادیت اور قدرتی تاثیر فوت ہو جاتی ہے اور اس طرح کی رنگینیوں سے باطل کو خوشنما اور دیدہ زیب بنا کر پیش کرنے کا گم کردہ راہ عناصر کو موقع ملتا ہے جب کہ حق میں اپنی طاقت وکمال اور قبولیت وتاثیر اس اعلیٰ درجے کی ہے کہ وہ کسی طرازی، سجاوٹ اور آرائش کا قطعاً محتاج نہیں بلکہ وہ اپنی قدرتی جاذبیت اور طبعی دلربائی کی بدولت ہر وقت اور ہر طبقے کے لیے معجز اور حسن وجودت کے بلند ترین معیار پہ قائم رہتا ہے۔ اس بناء پر آپ ﷺ نے کلام میں خود بھی سادگی اور سنجیدگی کا التزام فرمایا اور امت کو بھی اس کی تعلیم فرمائی جیسے کہ جریر بن عبد اللہ البجلی کو ایک دفعہ مخاطب کر کے آپ نے فرمایا "يا جرير إذا قلت فأوجز وإذا بلغت حاجتك فلا تتكلف" (۳۲) جریر، جب تم کوئی بات کرو تو اختصار سے کام لو اور جب تیری حاجت پوری ہو جائے تو پھر تکلف نہ کرنا۔

اور فرمایا "نضّر الله وجه رجلٍ أوجز في كلامه واقتصر على حاجته" اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جو بات کرتے ہوئے اختصار سے کام لیتا ہے اور اپنی ضرورت (کی بقدر بات) پر اکتفا کرتا ہے اسی سے ملی جلی مبارک دعا آپ ﷺ نے حدیث حفظ کرنے والے خوش نصیبوں کے لیے بھی فرمائی اور یہ آقائے نامدار کی نظر میں کلام میں ایجاز واختصار کی غیر معمولی اہمیت اور اطناب وتکلف کی حد درجہ ناپسندیدگی کی ایسی دلیل ہے جو کسی تشریح اور تطبیق کی محتاج نہیں۔

اس سلسلے میں آپ سے مندرجہ ذیل روایتیں بھی مروی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا "إن ابغضكم إليَّ وأبعدكم منيِّ مجالس يومَ القيامة الثرثارون۔ المتشدقون المتفيهقون" (۳۳) مجھے تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے روز میری مجلس سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو از راہ تکلف کلام کو اتنا لمبا چوڑا کر دیتے ہیں کہ بسا اوقات حق سے دستبردار ہو جاتے ہیں، اور وہ جو بے احتیاطی اور لاپرواہی میں بلاوجہ کلام کو پھیلا دیتے ہیں۔

اور فرمایا "إن الله تعالىٰ يبغض البليغ من الرجال الذي يتخلل بلسانه تخلل الباقرة بلسانها" (۳۴)۔ اللہ تعالیٰ اس بلیغ مرد کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کو بات کرتے ہوئے الٹتا پلٹتا اور پھیلاتا سکیڑتا ہے جیسے کوئی گائے جگالی کے وقت کرتی ہے۔ تاج دار نبوت ﷺ کے مزاج شناس اور عربی زبان کے رموز آشنا، زبانِ نبوت سے جاری ہونے والے ان لرزہ خیز کلمات کی شدت کو محسوس کر سکتے ہیں نیز اس سے امت کو ملنے والے سبق کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور پھر اس کی پشت پر اسلام کے مزاج ومذاقِ زبان وبیان کا بھی خوب پتہ چلتا ہے۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی عربی زبان سے اس قدر دلچسپی کسی علاقائی تعلق اور خاندانی رشتے کی بنیاد پر تو ہرگز نہ تھی بلکہ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام قرآن اور حدیث کو کما حقہ سمجھا اور اس کی گہرائی تک پہنچا جا سکے اور اس کے لیے عربی کو اپنی اصلی حالت اور طبعی ساخت کے مطابق رہنے دینا از حد ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی "زبان" سے متعلق کہی ہوئی تمام تعریفی اور تنقیدی باتوں میں اس نکتے کو پوری طرح محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سابق میں عمرو بن اہتم کی فصیح گفتگو پر جس طرح آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا وہ دراصل آپ کی طبعی ادب اور اس کے محاسن سے گہری مناسبت اور اس کی زبان اطہر سے تحسین وتعریف کا مظہر ہے۔ عربی زبان وبیان کو سمجھنے اور اس میں مہارت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اہمیت کی ایک بڑی دلیل اور مثال آپ کے جانثاروں کا اس سے غیر معمولی تعلق بھی ہے یہ تعلق خلفاء راشدین، سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ سے لے کر ایک گمنام اور غیر معروف صحابی رسول تک اور متمدن (شہری) حضرات سے لے کر بدویوں (دیہاتیوں) تک بلکہ عربی الاصل اصحاب سے لے کر عجمیوں تک میں تفاوت اور اختلاف کمیت وکیفیت کے ساتھ پایا جاتا رہا اور پھر صحابہ سے تابعین اور بعد کے

لوگوں کی طرف یہ صفت منتقل ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کے عربی نثر و نظم کے ساتھ لگاؤ اور اس کے اہتمام کا یہ عالم تھا کہ رسالت مآب ﷺ کی مجلس میں ادبی مذاکرے اور باہمی گفت و شنید کرتے اور پیغمبر اسلام اسے نہ صرف یہ کہ سنتے بلکہ کبھی کسی دلچسپ اور دل آویز بات کو سن کر از راہ مسرت اس پہ مسکرا دیتے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "جالست رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أكثر من مأة مرة، فكان أصحابه يتناشدون الشعر ويتذاكرون أشياء من أمرالجاهلية وهو ساكت وربما تبسم معهم، ويقول الشريد، استنشدني نبي اللّٰه شعرأمية بن أبي الصلت فانشدته" (۳۵) میں سو سے زیادہ دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا، آپ ﷺ کے صحابہ شعر پڑھتے اور جاہلیت کی بہت ساری چیزوں کا ذکر کرتے اور پیغمبر ﷺ خدا خاموش رہتے اور کبھی اس پہ مسکرا بھی دیتے۔ شرید فرماتے ہیں، مجھ سے رسول کریم ﷺ نے امیہ بن صلت شاعر جاہلی کے شعر پڑھنے کو کہا اور میں نے پڑھ کر سنا دیا۔

حضرت ثابت بن عبداللہ بن زبیر جو بہت بڑے ادیب اور حد درجہ فصیح و بلیغ تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں شعر و ادب کا درس دیتے تھے اور اہل مدینہ جوق در جوق اس میں شرکت کرتے اور اس سے محظوظ ہوتے۔ مسور بن عبدالملک کا بیان ہے "كنانأتي مسجد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مانزعنااليه إلا استماع كلام ثابت بن عبداللّٰه بن الزبيربالفاظه" (۳۶)۔

ہم لوگ مسجد رسول ﷺ میں حاضر ہوتے تھے، صرف ثابت بن عبداللہ بن زبیر کے کلمات و الفاظ سننے کی کشش ہم کو وہاں لے جاتی تھی۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے عربی زبان و ادب کے ساتھ اس طرح کے تعلق اور شغف کی سیرت رسول ﷺ سیر صحابہؓ اور تاریخ میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں اور یقیناً یہ وصف حبیب کبریا علیہ الصلوٰت والتسلیمات کے عشق کی بدولت آپ ﷺ ہی کی ذات اطہر سے ان کی طرف منتقل ہوا۔ گویا اصحاب و احباب رسول ﷺ کا عربی زبان کے ساتھ لگاؤ اور اس میں کمال پیدا کرنے کے لیے جدوجہد بھی رسول کریم ﷺ کے ہاں عربی زبان کی اہمیت و ضرورت کی ایک کھلی شہادت ہے۔

بہر حال تاج دار رسالت ﷺ کی عربی زبان و ادب سے گہری محبت اور مضبوط وابستگی تھی اور آپ کے ہاں امت مسلمہ کا بھی عربی زبان سے قرب اور تعلق مطلوب تھا۔ کیوں کہ عربی کی حیثیت محض ایک عام زبان اور بولی کی نہیں ہے بلکہ قرآن اور اسلام کا فہم اور اس کے مزاج و مذاق کا سمجھنا تک عربی کے ساتھ مربوط اور مشروط ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ "عربی" زبان ہی محمد عربی ﷺ ان کے جانثاروں اور دین اسلام کی ہے اور کوئی غیر مسلم عربی اور اس کی زبان عربی نہیں ہو سکتی، تو قطعاً بے جا نہ ہوگا بایں وجہ کہ ظہور اسلام اور بعثت نبوی کے ساتھ "عربی" میں ایک نئی روح پھونکی گئی اور اس کی خالق کائنات کی جانب سے تجدید اور از سر نو تعمیر ہوئی۔ بے شمار نئی اصطلاحات امثال اور اسالیب معرض وجود میں آئے اور خالص روحانی اور فطری سانچوں میں عربی کو ڈھال کر تیار کیا گیا۔ ابن عساکر کی اس روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے "عن عمر بن خطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال يارسول اللّٰه مالك أفصحنا ولم تخرج من بين اظهرنا؟ قال كان لغة اسماعيل قددرست فجاء بها جبريل عليه السلام فحفظنيها فحفظتها" (۳۷) حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ کیا بات ہے کہ آپ ہم میں سے زیادہ فصیح ہیں حالانکہ آپ ہم سے باہر نہیں نکلے؟ حضور ﷺ نے فرمایا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان (عربی) مٹا دی گئی تھی۔ پھر جبرئیل اس کو از سر نو لائے اور مجھے یاد کرایا تو میں نے اسے یاد کر لیا۔ گویا کہ یہ عربی زبان ایک الہامی زبان ہے جس کا تعلق عرب قوم اور عرب منطقہ سے زیادہ دین اسلام کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "من تكلم باالعربية فهوعربي" جس نے عربی زبان میں بات کی وہ عربی ہے۔ حالانکہ یہ بات کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی بلکہ دوسری زبانیں تو خاندانوں اور علاقوں کا ورثہ سمجھی جاتی (اور ہوتی بھی) ہیں اور رہی عربی زبان تو اس کی اہمیت و وقعت ہی اسلام اور پیغمبر اسلام کی وجہ سے ہے۔ عرب قومیت دوسری قومیتوں کی طرح ایک ناقابل رشک چیز ہے جس میں پیغمبر اسلام کے ساتھ تعلق کے بغیر کوئی کشش اور حسن نہیں، عظمت و وقعت

اللہ کے دین کی ہے اور دین کی وجہ سے "عربی زبان" کو اہمیت حاصل ہے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اسی نکتے کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدؐ عربی سے ہے عالم عربی

اس میں جہاں عربی زبان اور عربوں کی غیر معمولی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا، ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی طشت از بام کیا گیا کہ عرب کو یہ مقام اور شرف محمد عربی ﷺ کی وجہ سے حاصل ہے اور "اگر بہ او نہ رسانی تمام بولہبی ست"۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں کی عربیت اور عربی کی فضیلت سب سرورِ دوعالم ﷺ کی مرہونِ منت ہے اور آج عرب و عجم کو یہی پیغام دینے اور یہ نکتہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ عربی اسلام کی زبان ہے اور اسلام اور عربیت کی بنیاد پر پورا عالم اسلام متحد ہو سکتا ہے۔ عربی زبان کے فروغ سے (بشرطیکہ اس میں خلوص ہو) تمام ملل باطلہ اور فتن کا خاتمہ اور دین توحید کی سربلندی ممکن ہے اور عربی سے مسلمانوں کا رشتہ ٹوٹنا یا اسے توڑنا اور عربی کو عربوں کا خاندانی اور موروثی اثاثہ قرار دینا نیز عربی زبان و ادب اور عربوں کو بلا فرق اسلامی و جاہلی قابل افتخار شے تصور کرنا۔ امت مسلمہ کی بہت بڑی بدقسمتی اور دشمنوں کی فتح ہے۔ دورِ حاضر میں "عرب قومیت" کی تحریک کو بطور خاص اور نیشنل ازم کو بالعموم اسلامی ملکوں اور مسلم معاشروں میں فروغ دینے میں یہودی اور عیسائی مستشرقین کا بڑا ہاتھ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان یورپی مستشرقین نے سالہا سال کی ریسرچ اور طویل غور و خوض کے بعد یہ اندازہ لگایا ہے کہ اگر عربی سے مسلمانوں کا رشتہ توڑا جائے اور عربی کی اہمیت و وقعت کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے جوڑنے کی بجائے عربوں کا خاندانی اور ذاتی ورثہ قرار دیا جائے تو اس سے مسلمانوں کو منتشر ہی نہیں اسلام سے ان کا رشتہ بھی توڑا جا سکتا ہے اور خاکم بدھن آج امت اسی راہ پہ چل پڑی ہے۔ چنانچہ مسلمان بنیادی اسلامی تعلیمات بھی غیر مسلموں سے لیتے ہیں اور ان کا فہم اسلام سراسر اسلام دشمن عناصر کے مرہونِ منت ہے اور قرآن و حدیث اور بنیادی اسلامی مصادر و ماخذ سے تو ان کا رابطہ اور تعلق اب برائے نام بھی نہیں رہا۔ اس واسطے عالمی سطح پہ احیاء اور فروغ عربیت کی ایسی تحریک کی ضرورت ہے جس میں عربی اور اسلام کے تلازم کو موضوع اور محور بنایا جائے اور عربی زبان کو ایسا عام کیا جائے کہ کم از کم مسلمانوں کی اسلام سے اجنبیت اور دوری باقی نہ رہے۔ اس کے لیے ہر مسلمان کو اپنی بساط بھر کاوشوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیے۔

وصلى الله على خير البرية محمد واله واصحبه اجمعين

مراجع و مصادر

(۱) مصباح اللغات: ۲۳۵ (۲) التعریفات: ۱۱۸ (۳) ایضاً (۴) مجلّہ "معارف" دار المصنفین اعظم گڑھ، شمارہ ۱۹۹۴ء، ص ۴۰۷۔ (۵) معارف: ۴۰۸ (۶) قرآن کریم سورۂ طٰہٰ ۔ ۲۵۔۲۶۔۲۷۔۲۸ (۷) سورۂ قصص۔ آیت نمبر ۳۴۔ (۸) ایضاً (۹) شمائل ترمذی مترجم شیخ الحدیث مولانا زکریا، ص ۱۴۰ (۱۰) اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ: ص ۲۹۴ (۱۱) شفائے قاضی عیاض مع شرح نسیم الریاض للخفاجی: ج ۱، ص ۴۷۷۔ (۱۲) معارف: ص ۴۰۸ (۱۳) الزھر للسیوطی: ج ۱، ص ۳۵ (۱۴) اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۴۰۵ (۱۵) التاریخ الکبیر (للامام البخاری) ج ۴، ص ۴۔ (۱۶) المدخل، ص ۱۸ (۱۷) رسالہ فضائل عربی زبان (مولانا زکریاؒ) ص ۲۳ (۱۸) فضائل عربی زبان، ص ۲۲ (۱۹) مباحث فی علوم القرآن (مناع القطان) ص ۳۴۱ (۲۰) الاتقان: ج ۲، ص ۱۵۱ (۲۱) ایضاً (۲۲) (۲۳) ابو داؤد کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر حدیث ۵۰۰۹۔ وابن ماجہ کتاب الادب حدیث ۳۷۵۹ (۲۴) تاریخ الادب العربی (احمد حسن الزیات) ص ۷۸ (۲۵) مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ العدد، ۵۸، ص ۲۷۶ (۲۶) الشعر والشعراء (تحقیق الاستاذ احمد شاکر) ج ۱، ص ۲۹۵ (۲۷) مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ، ص ۲۷۷ (۲۸) مجلۃ: ص ۲۷۸ (۲۹) مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ: ص ۲۷۸ (۳۰) (۳۱) مجمع الزوائد: ص ۳۵ (۳۲) مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ العدد ۵۸، ص ۲۷۹ (۳۳) ایضاً (۳۴) ایضاً (۳۵) الادب المفرد للبخاری: ص ۱۲۷ (۳۶) جمھرۃ نسب قریش واخبارھا: ص ۸۹ (۳۷) المزھر: ج ۱، ص ۳۵۔